R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
[illegible]

ٹیلی فون — ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ [illegible] نئے پیسے

۸ ستمبر ۱۹۶۶ء	ایڈیٹر: آل احمد سرور	جلد ۲۵ شمارہ ۳۴

اداریہ

اُردو دوستوں کے لیے لمحۂ فکریہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

پچھلی اشاعت میں ہم نے عرض کیا تھا کہ اس وقت یہ بات خاص طور سے دیکھنا ہے کہ کون کون سیاسی پارٹیاں اپنی تاریخ، پروگرام اور عملی استعداد کی روشنی میں اردو کے سلسلے میں اپنے اعلانات پر عمل کرانے اور ملک میں اس کے نفاذ کی صلاحیت رکھتی ہیں یا پھر ہم ان وعدوں کو پورا کرانے کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن پارٹیوں کو جمہوریت پر اعتقاد ہے، سماجی انصاف کی دعوے دار ہیں، سیکولرزم کی قائل ہیں اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کو جمہوریت کے لیے ضروری سمجھتی ہیں، وہی اردو کے معاملے میں کچھ کر سکیں گی۔ جو سیاسی پارٹیاں سیاست کو کسی مذہب سے وابستہ کرتی ہیں یا جو اقلیتوں کے مسائل سے چنداں دلچسپی نہیں رکھتیں یا جو سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنا چاہتی ہیں ان سے کچھ امید رکھنا فضول ہے، خواہ وہ اقتدار حاصل کرنے کے لیے کیسے ہی لمبے چوڑے وعدے کریں۔ اس وقت ملک میں جو سیاسی پارٹیاں کام کر رہی ہیں اُن میں کانگریس، پی۔ ایس۔ پی، ایس۔ ایس۔ پی، کمیونسٹ پارٹی، سوتنتر پارٹی سیکولر کہی جا سکتی ہیں۔ اب تک کانگریس ملک پر حکومت کرتی آئی ہے۔ اس کی تاریخ اور اس کے بنیادی اصول ایسے ہیں کہ ان پر بڑی حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے مگر اس کے قول اور فعل میں خاصا فرق رہا ہے۔ کانگریس کی ریاستی حکومتوں نے لسانی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے جو وعدے کیے ہیں ان کو بیشتر پورا نہیں کیا۔ مرکز نے ان حقوق کے تحفظ کے لیے بہت سے اعلانات کیے ہیں اور خاصی ہمدردی ظاہر کی ہے مگر اس کے عملی نتائج بہت کم نکلے ہیں۔ مخالف سیکولر پارٹیوں میں کوئی پارٹی اکیلی اس موقف میں نہیں کہ حکومت بنا سکے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ وہ الیکشن میں کانگریس کو نیچا دکھانے کے لیے اشتراک کر لیں اور اس طرح کچھ ریاستوں میں حکومت بنانے میں کامیاب ہو جائیں۔ مرکز میں ایسا ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے، مگر مجموعی طور پر حالات یہ بتا رہے ہیں کہ اگرچہ کانگریس جیت بھی گئی تو اس کی پوزیشن پہلے کے مقابلے میں کمزور ہوگی اور مخالف پارٹیاں ہار بھی گئیں تو وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہوں گی۔ اردو کا مسئلہ ایک قومی مسئلہ ہے۔ اس قومی مسئلے کے سلسلے میں ہر اردو دوست کا فرض ہے کہ وہ اپنی سوچی اور سمجھی ہوئی رائے کے مطابق ایسی پارٹیوں کو ووٹ دے جن سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اردو کے سلسلے میں واقعی انصاف سے کام لیں گی۔ اس وقت اردو دوست احساسِ شکست کے بجا طور پر شکار ہیں۔ ان کے اس احساس سے ایسے عناصر بھی فائدہ اٹھاتے ہیں جو فرقہ وارانہ رنگ سے اردو کے مسئلے کو دیکھتے ہیں۔ اردو دوستوں کو اس بات کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے کہ ہماری تحریک سے فرقہ وارانہ عناصر فائدہ نہ اٹھا سکیں اور ہماری کسی بات سے انھیں تقویت نہ پہنچے۔ مسلم فرقہ واریت اور ہندو فرقہ واریت دونوں بُری ہیں لیکن تعداد کو دیکھتے ہوئے ہندو فرقہ واریت زیادہ خطرناک صورت اختیار کر سکتی ہے۔ مسلم فرقہ واریت ہندو فرقہ واریت کو اور ہوا دے سکتی ہے۔ سیکولر طاقتیں بہر حال اور کچھ کریں یا نہ کریں مسائل کو فرقہ واریت سے بلند ہو کر دیکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اردو دوستوں کو ان طاقتوں کو تقویت پہنچانا چاہیے۔ یہاں کسی خاص پارٹی کا سوال نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ ہر شخص کو اپنے ضمیر کے مطابق کرنا چاہیے لیکن اردو دوستوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس الیکشن میں جمہوری، سیکولر اور سماجی انصاف کی دعوے دار پارٹیوں کو تقویت پہنچائیں۔

اردو دوستوں کا دوسرا فرض یہ ہے کہ وہ اردو کی تحریک کو کسی مذہب سے وابستہ کرنے کا بھول کر بھی خیال دل میں نہ لائیں خواہ کسی مذہب کے ماننے والے کتنی بڑی تعداد میں اردو بولتے ہوں۔ اردو کا حق اسی وقت اُسے ملے گا جب اس کے لیے تمام مذاہب کے ماننے والے سینہ سپر ہوں گے اور جب سب مذاہب کے ماننے والے اس کی بقا کی تحریک میں پیش پیش ہوں گے۔ خوشی کی بات ہے کہ آج بھی ہماری اردو تحریک قومی نقطۂ نظر سے چلائی جا رہی ہے اور سبھی مذاہب کے ماننے والے اس کی حمایت کرتے ہیں، مگر اس چیز کو اور عام اور منضبط کرنا ہے۔ خواہ مرکز کی بات ہو یا ریاستی پیمانے پر، یا مقامی طور پر اردو کے حامی سبھی مذہبی جماعتوں کے ہونے چاہئیں۔ ہر شاخ میں، ہر محاذ پر ہر کام میں سبھی مذاہب کے لوگوں کی تائید حاصل کرنی چاہیے۔ تمام سیکولر پارٹیوں کو اردو کے سلسلے میں ان کا فرض یاد دلانا چاہیے۔ خالی خولی وعدوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے، عمل کو دیکھنا چاہیے اور اعلانات اور احکام پر عمل حکومت کے لیے نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ اپنے کارکنوں کے ذریعے

ان اعلانات اور احکام پر عمل کرانا چاہیے۔ ایک اردو اسکول قائم کرنا ایک اخبار میں ایک احتجاجی خط کے لکھنے سے بہتر ہے۔ ویسے احتجاج بھی ضروری ہے مگر احتجاج میں ساری صلاحیت ضائع نہیں کرنی چاہیے، خود بھی اپنے طور پر جو ہوسکے کرنا چاہیے۔ جو خود کچھ کرسکتے ہیں ان کے جذبات و احساسات کا دوسرے بھی لحاظ رکھتے ہیں بشرطیکہ ان کے جذبات و احساسات عام قومی مفاد سے ہم آہنگ ہوں۔

سرزمین

ادھر ہمارے ایک عزیز کچھ دن کے لیے ہمارے مہمان ہوئے۔ انھیں ہزاروں شعر یاد ہیں گو وہ سب بلند پایہ نہیں۔ بدایوں کے شعرا سے انھیں خاص دلچسپی ہے۔ انھوں نے بدایوں کے کئی ایسے شعرا کا نام لیا جن سے اردو دنیا زیادہ واقف نہیں، مگر جو اچھا خاصا کہتے تھے اور جن کے یہاں روایت کے باوجود فن اور زبان کا بڑے سلیقے سے استعمال ملتا ہے ان میں مفتی اکرام احمد لطف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

لطف کو میں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ جو مولوی عبدالمقتدر صاحبؒ کے عرسوں کے زمانے میں عجیب وجد و کیفیت کی حالت میں ٹہلا کرتے تھے اور گنگناتے رہتے تھے۔ عرس کے موقع پر بدایوں کا ہر شاعر نعت یا منقبت میں کوئی قصیدہ یا غزل کہنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ لطف کوئی عالم آدمی نہ تھے مگر سچے شاعر تھے۔ عشقیہ طرز میں بھی اشعار کہتے تھے جن میں داغ کا رنگ ہوتا تھا۔ پہلے لطف کا ایک شعر نعت میں سنیے جو اقبال کی مشہور زمین میں ہے اور انصاف سے کہیے کہ شاعر نے کمال کیا ہے یا نہیں۔

رخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

اب ان کے دو شعر دوسرے رنگ میں دیکھیے ؎

ہم سے تکلیف کسی کی نہیں دیکھی جاتی — غیر کا دل بھی جو ٹوٹا تو ہمارا ٹوٹا

پلائے اپنا ساقی اپنی مجبوری اپنے ہاتھوں سے — اگر یہ بادہ نوشی ہو تو لطف مے کشی ہے

لطف کے کلام کا ایک اچھا انتخاب ہو جائے تو یقیناً وہ آج بھی لطف سے پڑھا جائے گا۔ اسی طرح قولا، عیش، جامی، قمر و اعجب کے کلام کا انتخاب بھی ضروری ہے۔ حسرت نے نازش بدایونی اور ثاقب بدایونی کے کلام کا انتخاب کر دیا تھا مگر اب یہ انتخاب آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا۔

جگر میموریل کمیٹی لکھنؤ یونیورسٹی

لکھنؤ یونیورسٹی کے طلبہ نے اردو کے مشہور شاعر حضرت جگر مرادآبادی کی چھٹی برسی پر ۹ ستمبر ۱۹۶۶ء کو جگر ڈے منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں جگر میموریل کمیٹی قائم کی گئی ہے جس کے عہدہ داران حسب ذیل ہیں:

سرپرست: ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی ؛ صدر: ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی
نائب صدر: مس پروین علوی ؛ سکریٹری: جناب عبدالوہاب
جوائنٹ سکریٹری: جناب جاوید حسن ؛ خازن: ڈاکٹر انوار الحسن
کنوینر: وقار احمد۔

ممبران خاص اور شہری معززین میں بیگم سید اعزاز رسول، ایم۔ ایل۔ سی، ڈاکٹر اسلام احمد اور امین سلونوی خاص طور پر شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں جگر میموریل کمیٹی کے سکریٹری نے اس بات کا بھی اعلان کیا ہے کہ اس موقع پر کمیٹی کی طرف سے ایک کتابچہ بعنوان "رئیس المتغزلین" بھی شائع کیا جائے گا جو ۱۲ صفحات پر مشتمل ہوگا اور جس میں یونیورسٹی کے طلبہ و دیگر ادبا و شعرا کے مضامین بھی شامل ہوں گے۔

دہلی سے ایک نئے ادبی ماہنامہ کا اجرا

نئی دہلی سے "گہوارہ" نام کے ادبی ماہنامہ کا اجرا ہو رہا ہے پہلا شمارہ اکتوبر کے پہلے ہفتے میں منظر عام پر آ جائے گا۔ اس ماہنامے کے ایڈیٹر امیر قزلباش ہیں اور اس کی مجلس مشاورت میں ساحر ہوشیارپوری، مخمور سعیدی، بہار برنی اور شمیم صہبائی شامل ہیں۔

مزید معلومات کے لیے مندرجہ ذیل پتے پر خط لکھیں:
(منیجر ماہنامہ گہوارہ۔ ۵۲ روہتک روڈ، نئی دہلی ۵)

(ایک نامہ نگار)

شاخ پٹیالہ کی دو نئی کتابیں

پٹیالہ۔ یہ خبر ادبی حلقوں میں مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ انجمن ترقی اردو شاخ پٹیالہ دو کتابیں عنقریب شائع کرنے والی ہے۔ کتابوں کے نام یہ ہیں:- (۱) ارمغان تاشقند، (۲) حدیث سحر۔ شاخ پٹیالہ ایک کتاب "لہو ترنگ" چند ماہ پہلے شائع کر چکی ہے۔ (ایک نامہ نگار)

لکھنؤ میں یوم مولانا محمد علی جوہر منانے کی تیاریاں

لکھنؤ۔ ینگ سوشل سوسائٹی اتر پردیش لکھنؤ کے ممبروں اور عہدہ داروں کا ایک جلسہ جناب شاہ محمد رزق علا کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ اردو کے مشہور ادیب، شاعر اور جنگ آزادی کے مجاہد مولانا محمد علی جوہر کا یوم وفات ۴ جنوری ۱۹۶۷ء کو لکھنؤ میں آل انڈیا پیمانے پر "یوم مولانا محمد علی جوہر" منایا جائے گا جس میں مولانا محمد علی جوہر کی شخصیت اور ان کے کارناموں کو تقریروں اور مقالوں کے ذریعہ خراج عقیدت پیش کیا جائے گا۔ سوسائٹی کے جنرل سکریٹری سلیم عمر نے کہا کہ اس موقع پر حکومت ہند سے درخواست کی جائے گی کہ وہ موصوف کی مناسب یادگار لکھنؤ میں قائم کرے اور ان کے کارناموں کو عوام کے سامنے لائے۔

(سلیم عمر جنرل سکریٹری)

دیویندر پرشاد سکسینہ

سرور جہان آبادی اور شاکر میرٹھی

"آئینۂ حقیقت" کے عنوان سے تجا میرٹھی کا ایک مقالہ اردو ادب کے شمارہ نمبر ۱ ۱۹۷۶ء میں شایع ہوا ہے۔ یہ مضمون تجا صاحب نے شاکر میرٹھی مرحوم کی وکالت میں لکھا ہے۔ صفحہ ۸۰ پر تجا میرٹھی رقمطراز ہیں:

"شاکر صاحب نے جاگوی کالی داس کی مشہور نظموں "رتو سنگھار" کا اردو منظوم ترجمہ ۱۹۱۳ء میں کیا تھا جب سرور صاحب کو مرے ہوئے تین برس بیت چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ شاکر صاحب کوئی (PLANCHETEER) تو تھے نہیں جو سرور مرحوم کی روح کو پلانچیٹ کی طشتری پر بلوا کر اس سے رتو سنگھار کا اردو منظوم ترجمہ کروا لیتے ہوں۔ شاکر صاحب نے ۱۹۱۳ء میں رتو سنگھار کا ترجمہ کیا اور اسی برس اسے شایع بھی کروا دیا"

سرور جہان آبادی نے شاکر میرٹھی کو رتو سنگھار یعنی کالی داس کی موسمی نظموں کا ترجمہ اکسیر سخن کے نام سے ۱۹۰۹ء میں مکمل منظوم کر کے پچیس روپیہ کے معاوضہ کے بعد شاکر مرحوم کو دے دیا تھا۔ زمانہ دسمبر ۱۹۰۹ء میں سرور کا ترجمہ شاکر میرٹھی کے نام سے شایع ہوا اور جنوری ۱۹۱۰ء میں جنیت دانی نظم بھی رسالہ زمانہ میں شاکر صاحب کے نام سے شایع ہوئی اور اس کے بعد برکھارت "دانی نظم بھی جولائی ۱۹۱۰ء میں رسالہ زمانہ میں شاکر صاحب کے نام ہی سے شایع ہوئی۔ یہ تینوں نظمیں رتو سنگھار کے منظوم ترجمے میں شامل ہیں جب کہ تجا صاحب فرماتے ہیں کہ شاکر میرٹھی نے رتو سنگھار کا منظوم ترجمہ ۱۹۱۳ء میں کیا۔ سرور جہان آبادی کی بے شمار رباعیاں پچاس نظمیں اور سو غزلیں جو شاکر میرٹھی کے نام سے شایع ہوئی ہیں سرور مرحوم کی ہیں اگر کوئی صاحب اس بحث کو طول دینا چاہیں تو مثالیں میں پیش کرنے کو تیار ہوں۔ "یادِ رفتگاں" ۱۹۴۳ء میں مطبع انوار احمدی پریس الٰہ آباد سے شایع ہوئی ہے اس وقت شاکر میرٹھی حیات تھے۔ سرور پر مقالہ لکھتے ہوئے حضرت جگر بریلوی رقمطراز ہیں۔

"آپ کی بہت سی نظمیں اور بے شمار رباعیاں مسٹر پیارے لال شاکر میرٹھی کے نام سے شایع ہوئیں انھیں نظموں میں ایک مجموعہ "اکسیر سخن" ہے جو کالیداس کے رتو سنگھار کا منظوم ترجمہ ہے اور نیچرل شاعری کا بے نظیر نمونہ۔ رسالہ زمانہ بابت ماہ فروری ۱۹۱۵ء میں سرور اور شاکر کے عنوان سے ایک مفصل مضمون درج ہے اس میں خود شاکر صاحب کے خطوط سے ثابت کیا گیا ہے کہ "اکسیر سخن" اور بعض دوسری نظمیں جو ان کے نام سے شایع ہوئیں سرور کی تصنیف تھیں اس کے بعد زمانہ اپریل و مئی ۱۹۱۵ء میں منشی نوبت رائے نظر لکھنوی نے اپنے ذاتی علم سے انھیں واقعات کی تصدیق کی۔

شاکر میرٹھی سے دہلی میں میری ملاقات پانچ سات بار ہوئی میں نے ان کے پاس سرور مرحوم کا ایک غیر مطبوعہ مجموعہ دیکھا تھا جس میں پانسو (۵۰۰) رباعیاں اور ڈیڑھ سو نظمیں تھیں جن میں سے تقریباً دو سو رباعیاں اور پچاس نظمیں شاکر صاحب نے اپنے نام سے شایع کرا دیں۔ اگر تجا صاحب اس بحث کو جاری رکھیں گے تو میں نظموں کے نام بھی پیش کر دوں گا۔

سرور مرحوم کے نام شاکر میرٹھی کے سو (۱۰۰) سے زیادہ خطوط تھے جس میں سے پچیس خطوط منشی دیانرائن نگم جہان آباد سے اس وقت لے آئے تھے جب وہ تعزیت کے سلسلے میں گئے تھے اور پچاس خطوط سرور جہان آبادی کے برادر حکیم رگھبیر سہائے برؔیاں کے پاس محفوظ تھے۔ شاکر میرٹھی کے دس خطوط منشی دیانرائن نگم نے زمانہ فروری ۱۹۱۵ء میں شایع کرا دیے ہیں ان کو تجا صاحب ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

صفحہ ۸۰ پر ایک جگہ تجا صاحب لکھتے ہیں "غالباً سرور صاحب کا کلام بھی وہ (یعنی شاکر میرٹھی) دیکھتے رہے تھے" جب برکھارت دانی نظم زمانہ جولائی ۱۹۱۰ء میں شاکر میرٹھی کے نام سے شایع ہوئی تو ۱۵ مئی ۱۹۱۰ء کو شاکر صاحب الٰہ آباد سے ایک خط میں منشی دیانرائن نگم کو لکھتے ہیں۔

"جناب مکرمی تسلیم۔ کارڈ کا مشکور ہوں۔ آپ نے نظم کو بے حد پسند فرمایا ہے ڈبل شکریہ ادا کرتا ہوں۔ سرور صاحب کا رنگ کہاں میں کیا اڑا سکتا ہوں۔ البتہ ان کے مشورہ نے میرے رنگ سخن کو چمکا دیا ہے۔ براہ کرم اگر نظم پر نوٹ لکھیں تو اس میں اس قسم کی داد نہ دیجیے گا کیونکہ اس سے تقلید کا دھبہ لگے گا۔۔۔۔۔۔۔"

خاکسار پیارے لال شاکر

اب تجا صاحب اس خط کو ملاحظہ فرمائیں کہ سرور جہان آبادی شاکر میرٹھی سے اصلاح لیتے تھے یا شاکر میرٹھی سرور جہان آبادی سے۔

"آئینۂ حقیقت" میں خواجہ جائل صاحب کی ایک تحریر درج ہے اس میں دھوکے سے انھوں نے پربھو دیال عاشق کو سیتاپوری لکھ دیا ہے حالانکہ وہ لکھنوی تھے اور لکھنوی ہونے پر ان کو ساری زندگی ناز رہا۔ منشی نوبت رائے نظر مرحوم کا مقالہ "سرور اور شاکر" ملاحظہ فرمایئے اردو دنیا کی آنکھیں کھل جائیں گی اور اس مقالہ کے بعد اس بحث کا خاتمہ ہو جائے گا۔

"فروری کے "زمانہ" میں "سرور اور شاکر" کے عنوان سے جو بحث درج ہے اس میں آپ نے فرطِ محبت سے میرا بھی ذکر کر دیا ہے حالانکہ مجھے اس سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں لیکن چونکہ یہ واقعات اس زمانہ کے ہیں جب کہ میں الٰہ آباد میں موجود تھا اور ادیب نکال رہا تھا لہٰذا جن واقعات کا آپ نے تحریری ثبوت دے کر اردو دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے وہ میرے چشم دید واقعات ہیں۔ سرور مرحوم اور مسٹر شاکر کے شاعرانہ تعلقات کا علم مجھے اسی زمانہ میں ہوا تھا جب مرحوم الٰہ آباد آئے تھے اور مسٹر شاکر کے یہاں مقیم ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں وہ دونوں وقت روزمرہ میرے پاس تشریف لاتے تھے۔ کالی داس کی نظموں کا سنسکرت سے ترجمہ مسٹر شاکر نے ایک پنڈت صاحب کی مدد سے نثر میں بطور خاکہ کیا تھا اور سرور اسے نظم کرتے تھے۔ شاعر کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ وہ جو کچھ نظم کرتا ہے خواہ وہ کسی دوسرے ہی کے لیے کیوں نہ ہو لیکن اسے ہمراز دوست کو ضرور سنا دیتا ہے۔ سرور بھی مجھے ان نظموں کے اشعار روزمرہ سنایا کرتے

سکے۔ مجھ سے یہ راز پوشیدہ نہ تھا کہ مسٹر شاکر کی نظمیں در اصل سرور مرحوم کے زورِ طبع کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ میں اس راز کو زبان تک نہ لاتا اگر آپ نے اسے فاش نہ کر دیا ہوتا لیکن چونکہ اب وہ عالم آشکارا ہو گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے دوسروں کو جرأت ہوگی لہٰذا اس سلسلے میں بعض واقعات کا اضافہ نامناسب ہوگا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مجھے شاکر سے آپ ہی کے یہاں شرفِ نیاز حاصل ہوا تھا جب وہ نیوں سے تشریف لا کر زمانہ کے انتظامی امور سر انجام دیتے تھے اس زمانہ میں مسٹر شاکر کی جو نظمیں "زمانہ" میں شایع ہوئی ہیں وہ محض ابتدائی مشق کا نتیجہ معلوم ہوتی تھیں۔ اس کے دو ہی سال کے بعد جب میں نے "ادیب" نکالا تو مسٹر شاکر حسنِ اتفاق سے الہ آباد میں موجود تھے اور ان کی موجودگی کی اطلاع مجھ کو مسٹر پریم چند کے ایک پرائیویٹ خط سے ہوئی تھی۔ جس پر میں نے دوسرے اہلِ قلم کی طرح ان سے بھی "ادیب" کے لیے مضامین مانگے اس کے جواب میں مسٹر شاکر خود تشریف لائے اور نہایت کشادہ دلی سے اپنے کئی مضامین اور نظمیں عنایت فرمائیں ان نظموں کو دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی جن سے ان کا پیشتر کا کلام کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا بہر حال اس وقت سے مسٹر موصوف مجھے قریب قریب روزمرہ سرفراز فرمانے لگے۔ میں ان کے اس خلوص و اتحاد کا ہمیشہ ممنون رہوں گا خصوصاً اس بے تکلفی کا جس کی بدولت میں ان سے ادیب کے متعلق کوئی بات پوشیدہ نہ رکھتا تھا تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت سرور نے لکھا کہ میں الہ آباد آنے والا ہوں اور بالآخر وہ اپریل ۱۹۱۰ء کے ابتدائی زمانہ میں تشریف لائے۔ سرور مرحوم سے بھی مجھے آپ ہی کے یہاں نیاز حاصل ہوا تھا اور وہ دلی محبت جو مرحوم کو مجھ سے ہو گئی تھی آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

سرور کے زمانہ قیام میں میری خواہش تھی کہ ادیب میں ان کا کلام زیادہ نکلے لیکن وہ بہت مشکل سے ہر ماہ ایک نظم دیتے جب میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ شاکر صاحب کے کاموں سے انھیں بالکل فرصت نہیں ملتی اور اگرچہ "ادیب" کی طرف سے مرحوم کو نظموں کا معاوضہ بالکل قلیل نہیں دیا جاتا تھا تاہم شاکر صاحب کی مروت انھیں دوسرے کاموں سے باز رکھتی تھی انتہا یہ کہ جب شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے انتقال کی خبر آئی (غالباً ۸ مئی کو) تو میں نے اسی روز سرور صاحب سے ایک نظم کی فرمایش کی اور انھوں نے حتمی وعدہ کیا دوسرے روز نظم کے چند ابتدائی بند بھی سنائے تیسرے روز آ کر اور بند سنائے اور کہا کہ کل یہ نظم ختم ہو جائے گی لیکن تقریباً پندرہ روز تک ان کا وعدہ پورا نہ ہوا۔ چونکہ رسالہ کی اشاعت کا زمانہ قریب آ گیا تھا لہٰذا ایک روز میں نے ان سے سخت تقاضہ کیا اس سختی کے لیے خدا مجھے معاف کرے کیونکہ مرحوم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور چپ ہو گئے میں نے خاموشی کا سبب پوچھا تو انھوں نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ وہ نظم جناب شاکر نے اپنے نام سے زمانہ کو بھیج دی۔ نظم صاحب میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں لیکن اس کی تلافی ضرور کروں گا اور جلد ہی ایک اور نظم لکھ کے ادیب کی ضرورت پوری کر دوں گا۔ میرے خیال میں یہ سہل کام نہیں ہے کہ ایک ہی سبجکٹ پر دو بار طبع آزمائی کی جائے اور وہ بھی نہایت قلیل عرصے میں۔ بہرحال سرور مرحوم نے تیسرے روز وہ نظم آ کر سنائی جو جون کے ادیب میں شامل ہوئی سرور صاحب اپریل سے جون تک تقریباً تین ماہ الہ آباد میں رہے تھے اور اس عرصہ میں انھوں نے نہ صرف کالی داس کی نظموں کا ترجمہ کیا بلکہ وہ تمام نظمیں جو بعد کو مسٹر شاکر کے نام سے شایع ہوئی ہیں تقریباً اسی زمانے کی لکھی ہوئی تھیں "رادھا کا چرخہ" جس کا ذکر خطوط میں کیا گیا ہے "ادیب" ہی میں شایع ہوئی تھی ان کے علاوہ تقریباً ایک سو یا اس سے زائد رباعیاں بھی سرور صاحب نے اسی زمانے میں کہی تھیں جنھیں میں نے پہلے سرور صاحب اور بعد کو شاکر صاحب کی زبان سے مسودے کی حالت میں سنا تھا اور جو بعد کو "رباعیاتِ شاکر" کے عنوان سے عرصہ تک شایع ہوتی رہیں۔ اس وقت میں یہ سمجھتا تھا کہ شاکر صاحب نے سرور سے تلمذ اختیار کیا ہے جیسا کہ ایک آدھ موقع پر خود انھوں نے بھی فرمایا تھا اور سرور صاحب ان کے کلام کو محنت اور توجہ سے درست کر دیتے ہیں اور کبھی کبھی کوئی نظم خود کہہ کر انھیں دے دیتے ہیں۔ لیکن ایک موقع پر مجھے تجربہ ہوا کہ شاکر صاحب فنِ نظم سے بالکل بہرہ نہیں رکھتے آپ کو خیال ہوگا کہ ادیب میں "جنگل کی برسات" کے عنوان سے ایک نظم شایع ہوئی تھی اس نظم کو اس تصویر سے مطابق کرنے کے لیے جو رام چندر جی کے زمانہ قیام چترکوٹ کے متعلق اسی نمبر میں شایع ہوئی تھی میں نے شاکر صاحب سے کہا کہ اس کے آخر میں دو تین بند کا اضافہ کر کے نظم کو تصویر سے مطابق کر دیجیے۔ شاکر صاحب نے عدیم الفرصتی کا عذر کیا لیکن زیادہ اصرار پر نظم کو لے گئے پانچ روز کے بعد مع اضافہ واپس لائے۔ میں نے اضافہ شدہ بندوں کو پڑھا تو وہ اس بحر سے بھی تعلق نہ رکھتے تھے جس میں اصل نظم موزوں کی گئی تھی۔ آخر شاکر صاحب نے فرمایا کہ آپ خود ہی اضافہ کر دیجیے اور ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ اس نظم کے دو آخری بند جن میں رام سیتا جی کا ذکر ہے میں نے نظم کر دیے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ اس وقت سے اب تک مسٹر شاکر نے اس فن میں کتنی ترقی کی ہے ممکن ہے کہ اب وہ نظم کرنے لگے ہوں کیونکہ ان کی ذہانت اور شوق میں شک کی گنجایش نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ بغیر کسی دوسرے شخص کی مدد کے وہ اب بھی اپنے خیالات کو اس دل کشی سے نظم نہیں کر سکتے جن کے لیے پچھلے چار سال میں انھوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔"

آئینے

افتخار اعظمی

ہم لوگوں کو دیکھ کے اکثر
کچھ سنجیدہ صورت والے
ناک چڑھا کر، ماتھے پر تیوری سی لاکر
کہتے ہیں، "ان سے مت بولو
ان کی صورت بھی مت دیکھو
یہ ہیں کاہل اور نکمے
دون کی لینا اوروں کی محنت پر جینا
شیوہ ان کا"
لیکن ان کو کون بتائے
ہم فنکاروں کے چہرے تو آئینے ہیں

یہ مت پوچھو!

سید فضل المتین

یہ مت پوچھو!
صبر و تحمل کے عالم میں
مہر و وفا کے نام پہ، اکثر
ذہن نے کتنے دھوکے کھائے
دل نے کتنے زخم اٹھائے
شام و سحر کس طرح کٹے ہیں؟
کیا گزری ہے؟؟

اجنبی

خالد رحیم

کوئی کچھ کہتا نہیں ہے
کوئی کچھ سنتا نہیں ہے
ہر کوئی پتھر کی صورت چپ کھڑا ہے
خامشی کی تیرگی میں
سانس گھٹتی جا رہی ہے

میں کسے آواز دوں پھر
جو مری آواز سن کر
خامشی کی تیرگی میں
روشنی کا بیج بو دے!

اردو آریائی اور سامی تہذیب کے حسین امتزاج کا نام ہے

ڈاکٹر چوپڑہ کی تقریر

کلکتہ ۲۵ راگست حضرت آرزو لکھنوی مرحوم کی یاد میں آرزو اکیڈمی کے زیر اہتمام پچھلے دنوں یہاں خاصے بڑے پیمانے پر ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت شری گوپی ناتھ امن نے کی مشاعرے کا افتتاح ڈاکٹر ہیرا لال چوپڑہ چیرمین کلکتہ یونیورسٹی بورڈ آف انڈر گریجویٹس اسٹڈیز ان عربی فارسی اور اردو نے کیا۔

ڈاکٹر چوپڑہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ کلکتہ اس امر پر بجا طور پر ناز کر سکتا ہے کہ زبان و ادب اردو کے نشو و نما و ارتقاء میں اس نے ممتاز حصہ لیا ہے۔ انشاء اور ان دیگر جید شعراء کے علاوہ کلکتہ والوں نے بھی اٹھارویں صدی کے آخری حصے میں تاریخ اردو میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا جبکہ ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی قیادت میں اسی شہر میں فورٹ ولیم کالج کا قیام عمل میں آیا جس میں للو لال کوی، شیر علی افسوس اور دیگر اردو اور ہندی کے مصنفین نے اردو نثر کے حق میں بنیادی کام کیا اور یہ امر اس دور کا طرۂ امتیاز ہے کہ فورٹ ولیم کالج میں ہندی کے مہتمم ایک مسلمان میر بہادر علی تھے اور اردو کے مہتمم ایک ہندو ترنی چرن مسر تھے۔ وہ زمانہ حقیقتاً قومی یکجہتی کا زمانہ تھا۔ جبکہ اردو اور ہندی ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبانیں تھیں یہ زبانیں آج بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبانیں ہیں۔ اگر رس خان اور رحیم نے ہندی ادب کو اپنی تخلیقات سے مالا مال کیا ہے تو اردو ادب کو بھی رتن ناتھ سرشار اور دیا شنکر نسیم کی دین کچھ کم نہیں ہے۔

کلکتہ میں غالب کے قیام نے کئی نئے زاویوں کو اجاگر کیا اور راجہ رام موہن رائے اور دیگر افراد نے اردو صحافت کی داغ بیل ڈالی بیسویں صدی کے شروع سے داغ، وحشت اور آرزو نیز ناطق جیسے بلند پایہ شعراء نے اپنا مستقل اثر و نفوذ چھوڑا اور آج خوش قسمتی سے آرزو اکیڈمی کے زیر اہتمام علامہ آرزو کے چند شاگردوں اور نام لیواؤں نے اردو کے دیپ کو کلکتہ میں روبہ انحطاط نہیں ہونے دیا، گاہے گاہے کے مشاعرے جن میں تمام ہندوستان کے نامور شعراء کو دعوت دیکر آرزو کی روح کو نیا مقام دیا جاتا ہے۔ نیز اردو کے مختلف پہلوؤں پر مقالات لکھ کر اردو کو عوام سے دور ہونے سے بچایا جاتا ہے۔

اردو کے پانچ روزناموں کی کلکتہ سے اشاعت اس امر کی بین دلیل ہے کہ اردو کو اپنے مستقبل کے لیے کوئی خدشہ نہیں ہے۔

اردو اصل میں آریائی اور سامی تہذیب کے حسین امتزاج کا نام ہے جس میں آج تک عربی فارسی بیس فیصدی سے زیادہ الفاظ داخل نہ کر سکیں جس کے قواعد صرف و نحو سو فیصدی ہندی کے رہے اور آج اس کو غیر ملکی زبان کہنا اس پر سخت ظلم کرنا ہوگا یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ ہماری سیکڑوں سالوں کی محنت محض رسم الخط کی بنا پر خارج کا شکار ہو جائے اور ہم جذبات کی رو میں بہہ کر اپنے اس قیمتی ورثے کو ضائع کر دیں۔

اردو ہندوستان کی ہے اور کسی اور ملک کی زبان نہیں۔ یہ پنجاب یوپی بہار، بنگال، دہلی، راجستھان اور مدھیہ پردیش کی زبان ہے جہاں اس نے آزادی کے لیے تڑپ پیدا کی اور پھانسی پر چڑھنے والوں نے اسے خوشی سے اپنے لیے آخری ذریعہ اظہار بنایا۔ اردو ہمیشہ زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔"

(قومی آواز)

مراسلات

کچھ مولوی عبدالحق کے سلسلے میں

ہماری زبان کا تازہ شمارہ (۱۵ راگست ۱۹۶۶) ملا۔ سلطان صاحب کے سوالات اور آپ کے جوابات کو بڑی دلچسپی سے پڑھا۔ میں بحث میں حصہ لینے کا عادی نہیں ہوں۔ اس لیے اس خط کو کسی طرح بھی مباحثے میں حصہ لینا نہ سمجھا جائے۔ لیکن مجھے بھی مولوی عبدالحق مرحوم کی خدمت میں رہنے کا کچھ موقع ملا ہے۔ اور انھیں سمجھنے کا بھی۔ بعض باتیں، جو میرے علم میں ہیں، وہ آپ تک پہنچا دینا چاہتا ہوں۔

مولوی عبدالحق صاحب مرحوم اور مولانا آزاد میں ذاتی رنجش کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ مولوی صاحب مرحوم مولانا سے "کھنچے رہتے" تھے۔ اس کی ایک وجہ تو وہی تھی جس کا آپ نے ذکر کیا ہے یعنی شبلی اور ان کے سلسلے کے لوگوں سے عصبیت۔ میں اتنی چھوٹی حیثیت کا آدمی تھا، کہ مولوی صاحب سے کوئی سوال کرنے کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔ بعض وقت ان کی باتیں بڑی عجیب لگتی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابوالکلام کی اردو کو وہ اردو نہیں مانتے تھے، اور عربی اردو کہتے تھے۔ لیکن رام گڑھ کانگریس میں مولانا نے جو خطبہ دیا تھا اس کی تعریف بھی میں نے ان کی زبان سے سنی ہے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ مولانا آزاد سے انھیں دو بڑی شکایتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ مولانا آزاد انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ میں ہونے کے باوجود بھی کوئی عملی دلچسپی انجمن سے نہیں لیتے تھے، اور مولوی صاحب اس کے خواہش مند تھے۔ اور مولوی صاحب یہ بھی چاہتے تھے کہ مولانا اپنے اثر سے کام لے کر کانگریس کارکنوں کو سمجھائیں۔ بتائیں کہ اردو زبان اسی ملک کی زبان ہے۔ یہ آپ کو معلوم ہے کہ مسلم لیگیوں نے پوری کوشش کی کہ انجمن مسلم لیگ کا لسانی پلیٹ فارم بن جائے لیکن مولوی صاحب نے اس سے اختلاف ہی نہیں کیا، بلکہ ایسی بات نہیں ہونے دی۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ خود مولوی عبدالحق صاحب نے بتایا تھا وہ لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ان کے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ میں ہوا۔ اس اجلاس سے پہلے مسٹر جناح نے ایک خط مولوی صاحب مرحوم کو لکھا، اور لکھنؤ میں ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ مولوی صاحب نے انھیں لکھ بھیجا کہ وہ سیاسی آدمی نہیں ہیں۔ اس لیے ملنے کا کوئی فائدہ نہیں، اور وہ لکھنؤ نہیں جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ مسٹر جناح مولوی صاحب کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ اس کے لیے تیار نہ تھے۔ چنانچہ مسٹر جناح نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کو خط لکھا کہ مولوی صاحب کو رضامند کر دو۔ اور انھوں نے مولوی صاحب کو خط لکھا۔ مولوی صاحب کے دل میں اقبال کے لیے بڑا احترام تھا لیکن مولوی صاحب نے انھیں لکھا کہ مسٹر جناح سے ملنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس خط میں ایک جملہ بڑا بامعنی لکھا تھا اس خط کی نقل میں نے دیکھی۔ اور وہ جملہ کچھ اس طرح تھا۔ زبان کا مسئلہ سیاسی لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہیے۔ گاندھی جی نے زبان کا مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے الجھا دیا ہے۔ اگر دوسری طرف مسٹر جناح بھی وہی کریں گے۔ تو پھر اللہ ہی مالک ہے۔ اور یہ بھی لکھا تھا۔ کہ مسٹر جناح تو اردو جانتے تک نہیں۔ انھیں اردو سے کیا ہمدردی اور دلچسپی ہو سکتی ہے۔ لیکن گفتگو میں ہم لوگوں سے صاف لفظوں میں بولے کہ وہ انھیں سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے لیکن اقبال نے انھیں دوسرا خط لکھا، اور لکھا کہ بات کرنے اور ملنے میں تو کوئی ہرج نہیں۔ اس پر مولوی عبدالحق لکھنؤ گئے اور مسٹر جناح سے ملے۔ لیکن دونوں کا شدید اختلاف ہو گیا۔ اور مولوی صاحب خفا ہو کر چلے آئے۔ مولوی صاحب مرحوم نے خفگی کی وجہ بھی بتائی تھی۔ وجہ یہ ہوئی کہ جب مسٹر جناح سے باتیں ہوئیں۔ تو مولوی صاحب نے سب سے پہلی شرط لگا دی کہ پہلے مسلم لیگ اس مضمون کی تجویز منظور کرے کہ ہندوستان کی قومی زبان اردو ہوگی۔ خود مولوی صاحب نے تجویز کا مسودہ تیار کیا۔ اسے نواب صدیق علی خان نے مجلس مضامین میں پیش کیا۔ لیکن مولانا اکرم خاں (بنگالی) اور دوسرے بنگالیوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔ مولوی صاحب کو یہ بات بے حد ناگوار ہوئی۔ مسٹر جناح نے کہا کہ وہ عام اجلاس میں کرسی صدارت سے اس تجویز کو پیش کریں گے اور منظور کرائیں گے۔ لیکن مولوی خفا ہو کر چلے آئے۔ چنانچہ اس کے بعد سے مولوی صاحب مرحوم کو مولانا اکرم کے نام سے نفرت سی ہو گئی تھی۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ اردو زبان کا معاملہ مولوی صاحب کے لیے مذہب سے بھی زیادہ اہم تھا۔ چنانچہ وہ بے حد خفا تھے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ کانگریس سے وہ بے حد بدگمان تھے۔ اور دوسری طرف بہت سے مسلم لیگی ان کے گرد اکٹھا ہونے لگے تھے۔ مثلاً کرامت علی خاں، جو اس وقت دلی کے علی گڑھ اولڈ بوائز کے سکریٹری اور مولوی صاحب صدر تھے۔ نواب صدیق علی خاں، اور خود انجمن کے دفتر کے اندر کچھ لوگ نہایت ہی متعصب مسلم لیگی تھے۔ اور مولوی صاحب کو لوگ بہکاتے رہتے تھے۔

اردو زبان سے مولوی صاحب کو کتنی محبت تھی اسے آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ ان کا دھرم ایمان سب کچھ اردو ہی تھی۔ جو اردو کا دوست وہ ان کا دوست اور جو اردو کا دشمن وہ اس کے دشمن۔ ان کا یہ رویہ آخری وقت تک رہا۔ مشرقی پاکستان میں اردو کے خلاف جو ایجی ٹیشن ہوا۔ اس سلسلے میں مولوی صاحب کے بیانات سے اندازہ کیجیے ظاہر ہے کہ مشرقی پاکستان میں اردو کے خلاف ہنگامہ کرنے والے مسلم لیگی اور بنگالی مسلمان تھے کانگریسی اور ہندو نہ تھے۔

ان کے بعض ہندو اور کانگریسی دوست بھی تھے جو اردو کے حامی تھے۔ پنڈت سندر لال، پنڈت بنارسی داس چترویدی۔ مولوی صاحب کے بعض ہندو دوست ایسے بھی تھے جو بھاشائی تھے لیکن چونکہ اردو زبان کے معاملے میں ان کے ساتھ تھے۔ اس لیے انھیں سب سے عزیز تھے جیسے مثلاً سر گوکل چند نارنگ اور پنڈت ونشی دھر ودیالنکار۔

مولوی صاحب کو جب سے مجھے جاننے کا اتفاق ہوا۔ میں یہی سمجھا کسی سے ان کی محبت اور نفرت ذاتی بالکل نہیں تھی۔ بلکہ صرف اردو زبان کے واسطے سے تھی۔

مولوی صاحب مرحوم میں ایک بڑی کمزوری تھی۔ جو منہ میں آتا تھا وہ ٹوک بول دیا کرتے تھے میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب کانگریسی تو ہرگز نہیں تھے۔ اور قوم پرست مسلمانوں سے بھی خفا رہتے تھے لیکن وہ مسلم لیگی بھی نہیں تھے کم سے کم جب تک ہندوستان میں تھے پاکستان جانے کے بعد بھی انھوں نے جو خطوط مجھے لکھے۔ ان میں مسلم لیگی ہونے کی کوئی جھلک نہیں ملتی۔ بلکہ کچھ باتیں ملتی ہیں یا پہلی سی زیادہ ہے۔

(ایک واقف کار)

(۲)

مورخہ ۱۵ راگست ۶۶ء کے "ہماری زبان" میں ابوسلمان شاہجہانپوری کے چند سوالات اور آل احمد سرور صاحب کے جوابات نظر نواز ہوئے جوابات میں سرور صاحب مولوی عبدالحق صاحب مرحوم کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ انھوں نے الہلال کی اردو کی نسبت سرور صاحب سے کہا تھا کہ الہلال کی اردو حرامی" اردو[1] ہے۔ یہ پڑھ کر میری حیرت واستعجاب کی کوئی حد نہ رہی۔ عقل کبھی باور نہیں کراتی کہ مولوی موصوف نے مولانا آزاد کی اردو ادب وزبان کی بابت اس قدر گندہ اور کثیف کلمہ کیونکر سرزد ہوا۔ مولانا آزاد کے تبحر علمی اور اردو لغت وادب پر ان کی ہیولی اور بلند پائگی دنیا بھر میں مشہور و معروف ہے یہی کہ اس شمع ادب سے اپنے چراغ روشن کرنے کے کم و بیش سبھی ادیب و نثار خواہاں ہیں۔ اپنی عدیم النظیر نگارشات سے مولانا نے اردو کی گرانبہا اور غیر فانی خدمات انجام دی ہیں اس سے کون کافر انکار کر سکتا ہے۔

اور مولوی عبدالحق صاحب نے تو اپنی زندگی تک اردو کی ترقی وبہبود کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ جہاں تک میرا ناقص خیال ہے اردو کی بہبودی کے لیے مولوی موصوف ہر قسم کی قربانی کو بصد خوشی آمادہ تھے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس راہ پر گامزن ہونے میں مذہب وملت سیاست وقومیت وغیرہ ان کے لیے سدراہ ہوئی ہے۔ پھر یہ کس طرح تصور کیا جا سکتا ہے کہ مولوی صاحب کے لب مبارک سے ایسا فحش کلمہ ادا ہوا ہو جو کسی تعلیم یافتہ مہذب انسان کے لیے زیبا نہیں دیتا اور اس پر طرہ یہ کہ یہ سوقیانہ اہانت آمیز کلمہ مولانا آزاد کی اردو پر مستعمل ہوا ہے۔

اور جناب سرور صاحب پر دروغ گوئی کا الزام لگانا بھی نازیبا معلوم ہوتا ہے میرے خیال میں بہت ممکن ہے کہ سرور صاحب کو کہیں سننے میں دھوکہ ہوا ہو۔ مولوی عبدالحق صاحب نے جوہر ادیب کی حوصلہ افزائی اپنا فرض سمجھتے تھے غالباً الہلال کی اردو کی نسبت "عوامی" اردو کا کلمہ استعمال کیا ہوگا۔ سرور صاحب "عوامی" کو "حرامی" سمجھ بیٹھے ہوں گے ورنہ اور کوئی توجیہ سمجھ میں نہیں آتی۔

(ایس۔ ایم۔ سرور۔ ملاپرم گریڈیا)

حضرت فراق گورکھپوری سے استفسار

اپنے یہاں حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ تم علم حاصل کرو اس شخص سے جو عمر میں تم سے بڑا ہو۔ اس شخص سے جو عمر میں تمہارے برابر ہو اور اس شخص سے جو عمر میں تم سے چھوٹا ہو یعنی علم جہاں سے ملے حاصل کرو۔ میں ہنوز طالب علم ہوں بنا بریں جہاں سے علم کی روشنی میسر آ سکے دیوانہ وار اس طرف چل دیتا ہوں۔

"ہماری زبان" مورخہ ۲۲ راگست ۶۶ء کے صفحہ ۵ پر "گھونگھٹ" کے عنوان سے مشتے از خروارے کسی زیر طبع کتاب کا اقتباس دیا گیا ہے جو پروفیسر فراق صاحب سے منسوب ہے۔ اردو زبان میں قدرے شد بد حاصل کر چکا ہوں اس لیے اس کے لیے اساتذہ کو تکلیف تدریس نہیں دیتا۔ فارسی زبان چونکہ میرے لیے غیر ملکی زبان ہے اس لیے اس میں اساتذہ کی رہنمائی ضروری ہوتی ہے۔ شاعر مشرق سر اقبال کو ایرانیوں نے فارسی زبان نے کہہ دیا تھا کہ "فارسی او مہابت" بنا بریں میں فارسی جملوں کے سمجھنے میں بھی اساتذہ کی امداد کا محتاج رہتا ہوں۔

آپ کے "گھونگھٹ" میں پہلے مصرعے "نہ زدرون خلوت غیب ہا تو کجا در انجمن آمدی" جہاں "خلوت غیب ہا" میرے لیے ایک معمہ بن گیا وہاں "کجا" کی استعمال بھی حیرت میں کر دہ گیا۔ شعر کا دوسرا مصرعہ "تو بروں زمیرہ بنی و آں تو چرا بہ زمین آمدی" بلکہ گورکھ دھندا بن کر رہ گیا جس میں "تو" کی تکرار نے مزا بھی کرکرا کر دیا۔

بعد ازیں دوسرے بند میں "اے دریغا نالہ بر لب برزبان انداختہ" دیکھ کر مجھے نالہ انداختن کا محاورہ کچھ اجنبی سا معلوم ہوا۔ اسی بند کے دوسرے شعر میں "ہاں بر بر قلب آتش آوۂ وقتان انداختہ" ہاں کو فارسی زبان پر پیوست دیکھ کر متعجب ہوا۔ میں کم علمی کے صدقے میں آج تک "ہاں" کو ہندی یا ہندوستانی کا شبد جانتا تھا۔ بند کے چوتھے شعر میں پھر "ہاں ہر یوسف جنس بازار حسن است" میں "ہاں" کا موجود ہونا میرے لیے معمہ بن گیا۔ میں نے تہیہ کیا کہ فراق صاحب سے توضیح چاہوں گا۔ تاکہ مستقبل میں بہت سے الزام ملام نہ بنتا رہوں۔

میں اپنی بدقسمتی کی وجہ سے ذاتی طور پر فراق صاحب گورکھپوری سے متعارف نہیں ہوں اس لیے انسب یہی معلوم ہوا کہ "ہماری زبان" علی گڑھ کی وساطت سے استفسار کروں کہ میری طرح سے دوسرے طالبان حق بھی استفادہ کر سکیں۔

(آغا غضنفر کاشمیری)

-----

[1] جو لوگ مولوی عبدالحق مرحوم کو اچھی طرح جانتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ مولوی صاحب گفتگو میں بعض اوقات بڑی شوخی اور بے باکی سے کام لیتے تھے مولوی صاحب نے یہی الفاظ استعمال کیے تھے اس میں حلالی اور حرامی کا تضاد بھی مد نظر تھا۔

(ادارہ "ہماری زبان")

پرائمری درجات میں تعداد طلبہ کی قید نہیں ہے

ہر بچہ کو جس کی مادری زبان اردو ہے اردو میں تعلیم دی جانی چاہیے

(دو اناد رسول سکریٹری انجمن ترقی اردو بنارس)

(گذشتہ سے پیوستہ)

یہاں سے ایک درخواست مورخہ ۱۱ نومبر ۱۹۶۳ء مسرسانی فارم میں اردو مادری زبان والے بچوں کو تیسری زبان اردو پڑھانے کے لیے اور کچھ بعد کی اردو استادوں کی تقرری و اردو ٹریننگ دینے۔ جی او میں قانونی زور دینے و ہر پرائمری اسکول و جونیر ہائی اسکول و کالجوں میں ایک اردو ٹیچر مقرر کرنے و اڈمیشن فارم میں مادری زبان کا کالم بڑھانے وغیرہ کی نسبت ڈپٹی سکریٹری تعلیم یوپی کو ان کے ایک علم کے سلسلہ میں بھیجی گئی تھی۔ اس کی نقل وزیر تعلیم یوپی۔ اڈیشن ڈائرکٹر صاحب الہ آباد و کمشنر لسانی اقلیت ہند کو بھیجی تھی اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ ۴۰ ۱۰ کی قید غیر ضروری ہے تقریباً ایک اشارہ ہے نہ کہ تعلیم اور یہ کہ جی۔ او کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ۴۰۔۱۰ بچے ہوں تو اردو پڑھائی جائے ۳۹۔۹ ہوں تو اردو تعلیم نہ دی جائے بہت سے حوالے دئے گئے تھے حکومت یوپی نے اس کا جواب بذریعہ کمشنر لسانی اقلیت دیا ہے وہ خاص اہمیت کا ہے کہ ۴۰۔۱۰ کی قید ضروری نہیں ہے اس سے زیادہ صاف اور کیا ہو سکتا ہے کہ حکومت کا جواب ہے کہ ۴۰۔۱۰ کی قید پرائمری تعلیم کے لیے ضروری نہیں ہے۔ انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

AS REGARDS THE LIMIT OF 40 OR 10 BOYS IT IS SURELY NOT THE INTENTION OF THE G.O. THAT IF THERE ARE 40 OR 10 BOYS THEY WILL BE TAUGHT URDU AND IF THEIR NUMBER IS 39 OR 9 THEY WILL NOT BE TAUGHT URDU. IT ALSO MEANS THAT IN ALL THE URDU MEDIUM SCHOOLS AS WELL AS IN SUCH SCHOOLS WHERE HINDI IS NOT TO BE STARTED EARLIER THAN CLASS III THE MEDIUM OF INSTRUCTION AND EXAMINATION IN THE PRIMARY CLASSES SHALL BE THE MOTHER TONGUE OF THE CHILD

مادری زبان میں تعلیم دینے کا سوال سائنٹفک ہے کہ بچہ اپنے گھر میں جو بولتے سنتا و سمجھتا ہے اس زبان کے پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے زیادہ بار نہیں لینا پڑتا اور دماغ پر اثر نہیں پڑتا جو کمزوری کا باعث ہوتا ہے اور جب کچھ دماغ پختہ ہو جائے تو درجہ ۳ سے ہندی بطور زبان کے پڑھے تاکہ آگے ہندی پڑھنے میں آسانی ہو۔ اور درجہ ۵ تک مادری زبان ذریعہ تعلیم رہے۔

دوسرے سوال کے متعلق کہ ۴۰۔۱۰ سے زیادہ لڑکے ہونے پر بھی استاد کم بتاتے ہیں۔ عرض ہے کہ ایک رجسٹر پرائمری اسکولوں میں بموجب حکم ڈائرکٹر صاحب کھلا ہوا ہے اس میں لسانی اقلیتوں یعنی اردو مادری زبان کے بچوں کا نام لکھا رہتا ہے اس رجسٹر سے تعداد کا پتہ لگ سکتا ہے۔ اگر پوچھا جائے تو استاد بتا دیں گے ۴۰۔۱۰ کا ایک بہانہ ہے تاکہ اردو پڑھائی نہ پڑے۔ بسلسلہ ماسٹر صاحبان سے اردو پڑھانے کے لیے کہا جائے۔ سپرنٹنڈنٹ تعلیم ڈپٹی انسپکٹر صاحبان و انسپکٹر صاحبان سے برابر کہا جائے تو ضرور کچھ کامیابی ہو سکتی ہے۔ سنسکرت کو چھوڑ کر ۱۳ زبانوں میں سے ۱۲ دستوری زبان تو اپنے اپنے صوبوں میں پڑھائی جا رہی ہے صرف ایک اردو جو ۱۹۴۷ء تک یوپی و دیگر ۶، ۷ صوبوں کی علاقائی زبان تھی جو ہندوستان میں ہر جگہ بولی و سمجھی جاتی ہے اور دنیا کی تیسرے نمبر کی زبان ہے۔ اس کا کوئی علاقہ نہیں قرار دیا گیا۔ عدم توجہی کی شکار ہو رہی ہے لیکن وہ دن دور نہیں جب اردو کو اس کا جائز مقام ملے مگر شرط یہ ہے کہ ہم لوگ اس کے لیے کوشش کرتے رہیں اور اس کا استعمال رکھیں۔

ثانوی تعلیم

اس کے بارے میں بھی چند سطور لکھنا چاہتا ہوں۔ ۱۹۴۷ء کے پہلے اردو و ہندی دونوں اول زبان کے طور پر پڑھائی جاتی تھی۔ اردو پڑھنے والے اردو کے میڈیم سے سب مضامین پڑھتے تھے یہی حالت ہندی پڑھنے والوں کی تھی۔ اردو والوں کو ہندی و ہندی والوں کو اردو بطور دیگر زبان کچھ درجہ تک پڑھائی جاتی تھی اور دونوں زبانوں کی معلومات ہر ایک کو ہو جاتی تھی۔ مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے سے بچوں میں پختگی آتی تھی نتیجہ بھی اچھا ہوتا تھا مادری زبان کے میڈیم سے اب بھی پڑھنے کا قاعدہ ہے جیسا کہ جناب کمشنر لسانی اقلیت ہند کی دوسری رپورٹ پیرا ۲۱۱ سے ظاہر ہوتا ہے جس کا جز حسب ذیل ہے۔

FOR J.H.S. CLASSES I.E CLASSES VI-VII-VIII THE LINGUISTIC MINORITIES ARE FREE TO RECEIVE EDUCATION THROUGH THE MEDIUM OF THEIR MOTHER TONGUE AND THERE IS NO RULE MAKING HINDI COMPULSORY BUT MOST OF THE SCHOOLS ARE IMPARTING EDUCATION THROUGH THE MEDIUM OF HINDI SO THAT THOSE WHO GO UP TO THE HIGH SCHOOL AND INTER MEDIATE SECTIONS MAY NOT BE HANDICAPPED.

حسب سطور بالا کم سے کم درجہ ۸ تک تو اردو میڈیم سے تعلیم سب مضامین کی دی جا سکتی ہے مگر یہاں تو پرائمری تعلیم میں بھی بہ ایں وقت

پیدا کی جا رہی ہے۔

اردو تعلیم کے سلسلہ میں ریاستی انجمن ترقی اردو اترپردیش کا ایک اہم اعلان اخبار "ہماری زبان" مورخہ ۸ اپریل میں شائع ہوا ہے کہ درجہ ۶ سے درجہ ۱۰ تک اردو میڈیم سے تعلیم دی جانی چاہیے جس کے وجوہات اس اخبار میں ہیں یہ کب تک ہوگا وقت ہی بتا سکتا ہے۔ جب ۱۹۴۸ء سے اردو تعلیم بالکل حکم کے یکایک بند ہوگئی تو مختلف اداروں ہائی اسکولوں کالجوں سے اردو و فارسی ٹیچر دھڑا دھڑ ہٹائے جانے لگے حالانکہ اس وقت ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے ایک جی۔ او بنام ڈپٹی ڈائرکٹر جاری کیا کہ اردو و فارسی ٹیچر نہ ہٹائے جاویں۔

"IT HAS COME TO MY NOTICE THAT SOME OF THE INSTITUTIONS ARE TERMINATING THE SERVICES OF LANGUAGE TEACHER FOR THE REASON THAT THE NUMBUR OF STUDENTS OFFE-RING THE VARIOUS LANGUAGES HAS GONE DOWN. IT MAY PLEASE BE IMPRESSED ON ALL MANAGEMENTS OF INSTITUTIONS UNDER YOU THAT NO HURRIED ACTION IN THE MATTER IS TO BE TAKEN. URDU OR PERSIAN TEACHERS ARE NOT TO BE REMOVED-- --" (NO-G.L. 4243 d/ 20-10-49)

نتیجہ یہ ہوا کہ اب جب سہ لسانی فارمولا میں تیسری زبان اردو کی گنجائش ہوئی تو زیادہ تر انگریزی اسکولوں میں اردو ٹیچر نہ اردو ٹیچر رکھنے کی طرف طبیعت مائل ہے۔ مرکزی حکومت و ریاستی حکومت نے بذریعہ اعلان مورخہ ۱۴ جولائی و ۲۰ جولائی ۱۹۴۸ اردو کو ثانوی درجات میں پڑھائے جانے کا حکم دیا مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ تسلیم شدہ ہی رہی۔ اعلان حسب ذیل ہے۔

"FACILITIES FOR INSTRUCTION IN URDU SHOULD ALSO BE PROVI-DED IN THE SECONDARY STAGE OF EDUCATION."

یہاں تک حکم ہے کہ اگر ثانوی درجات میں ۱/۳ تعداد اردو بچوں کی ہو تو اس کو اردو میڈیم سے تعلیم دی جائے ملاحظہ ہو کمشنر لسانی اقلیت کی تیسری رپورٹ پیرا ۲۰

"THE STATE GOVT HAVE ISSUED INSTRUCTION TO ALL GOVT MUNICIPAL AND DISTRICTBOARD SCHOOLS TO PROVIDE INSTRUCTION IN A MINORITY LANGUAGE IF 1/3 OF THE TOTAL NUMBER OF PUPILS DESIRE INSTRUCTION IN THAT MEDIUM"

بہرحال حکومت نے بذریعہ خط نمبر NO. 639/XXI/129/59 مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۵۹ء یہ حکم دے رکھا ہے کہ ہائر سکنڈری درجات میں پانچ یا اس سے کم بھی بچے ہوں تو ان کے اردو پڑھانے کا انتظام کیا جانا چاہیے جولائی ۱۹۶۳ء سے سہ لسانی فارمولا لاگو ہوا۔ سہ لسانی فارمولا کے اندر درجہ ۶ تا ۸ میں تین زبانیں لازمی ہیں۔ ایک ہندی ایک انگریزی ایک زبان اور۔ سہ لسانی فارمولا کے منشا کے مطابق تیسری زبان لازمی طور سے مادری زبان ہوگی۔ (فیصلہ چیف منسٹرس کانفرنس ۱۹۶۱ء پیرا ۹ (الف)) اور کمشنر صاحب نے بھی اپنی ساتویں رپورٹ پیرا ۱۹۲ میں لکھا ہے کہ کلاسیکل زبان جدید ہندستانی زبان کی جگہ نہیں پڑھائی جانی چاہیے اور لکھا ہے۔

"IT IS HOPED THAT NECESSARY STEPS WILL BE TAKEN BY THE STATE GOVT SO THAT CLASSICAL LANGUAGE ARE NOT INTRODUCED AT THE COST OF MOTHER TONGUE OF THE LINGUSTIC MINORITES-"

یہ ہندستان کے اس سلسلہ کے بہت بڑے افسر ہیں۔ بہرحال اس فارمولا کے اندر ۵ بچے اردو کے ہوں تو اردو پڑھائی جاوے گی اور اگر اس سے کم بھی ہوں اور اس اسکول میں اردو پڑھائی جا چکی ہے تو اردو تعلیم جاری رہے گی بند نہ ہوگی (بموجب تیسری رپورٹ کمشنر پیرا ۴۰) ڈائرکٹر صاحب کا خط نمبر سکنڈری ۳۰۰۴۸ مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۶۵ اس خط میں یہ بھی ہدایت ہے کہ ۵ سے کم بچے ہوں اور وہاں اس کا انتظام نہیں ہے اور نہ کوئی QUALIFIED ٹیچر ہے تو ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل کے اطمینان پر وہ زبان پرائیویٹ پڑھ سکتا ہے البتہ باقی مضامین کلاس میں اور لڑکوں کے ساتھ پڑھے گا۔ لوکل باڈیز کو یہ بھی ہدایت ہے کہ اگر کسی جگہ تیسری زبان یعنی اردو کے بچے ہیں اور وہاں اردو استاد نہیں ہیں دوسری جگہ اردو استاد ہیں تو ان کا اس جگہ سے جہاں ضرورت ہے تبادلہ کر دیا جائے تاکہ تیسری زبان پڑھ سکیں۔ یوں تو ہر جونیر ہائی اسکول میں ۱۹۴۸ کے پہلے کے اردو داں اساتذہ ہیں پہلو تہی کرتے ہیں اور بات ہے جس ادارہ میں تیسری زبان کے بچے ہیں تو اڈیشنل ٹیچر کی جگہ انسپکٹر آف اسکولس سے کر سکتے ہیں اس کے لئے حکومت نے قریب ۳ لاکھ روپیے ۱۹۶۳-۶۴ میں دیا تھا (ملاحظہ ہو G.O. NO A/7 مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۶۴) سہ لسانی فارمولا میں تیسری زبان کے انتخاب کے لئے سینئر اور اصولوں کے ایک اصول یہ بھی ہے کہ تیسری زبان کے انتخاب میں LOCAL NEEDS کا خیال رکھا جائے۔ آج ہر ضلع دفاتر میں دکھلائی کر دفتروں کا غذات اردو کے ہیں جہاں عام طور سے اردو علاقائی زبان بھی ہے اردو کا انتخاب اس فارمولا کے اندر بھی آتا ہے (ملاحظہ ہو خط نمبر

سکنڈری عنٹ مورخہ ۲۰ رجون ۱۹۶۳ء) کیونکہ کوئی زبان کسی غرض کے لیے پڑھائی جانی چاہیے جس سے ضرورت رفع ہو۔ افسوس تو یہ ہے کہ تیسری زبان کے انتخاب کے لیے جو سرکلر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم یو۔پی نے اجرا کیا اس میں لکھا ہے کہ زیادہ سرپرست جس زبان کے لیے CHOICE دیں وہ پہلے پڑھائی جائے مادری زبان لکھا نہیں گیا حالانکہ شاذونادر کوئی پوچھتا ہے پہلے سے سنسکرت استاد موجود ہیں پڑھانا شروع کر دیتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ زیادہ لوگوں نے سنسکرت کا CHOICE دیا۔ اردو کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ کمشنر صاحب نے اپنی چھٹی رپورٹ ۱۹۶۳ء کے پیرا ۱۳۲ میں لکھا ہے کہ لفظ CHOICE سے لسانی اقلیتوں کے حقوق پر ضرب پہونچی ہے۔ الفاظ (ADVERSELY AFFECT) استعمال کیا گیا ہے مگر ۳ سال ہو گئے اب تک مناسب ترمیم نہیں ہوئی۔

یو۔پی گزٹ مورخہ ۲۳ رمئی ۱۹۶۲ء میں ڈائرکٹر صاحب کا حکم شایع ہوا کہ سہ لسانی فارمولا کے نفاذ کی وجہ سے سنسکرت کا لازمی حصہ جو ہندی کتابوں میں جوڑا ہوا ہے نکال دیا گیا ہے مگر سہ لسانی فارمولا رواں ہے پھر سنسکرت کا نکالا ہوا حصہ جوڑ دیا گیا (ملاحظہ ہو یو۔پی گزٹ مورخہ ۱۲ رجولائی ۱۹۶۵ء) اور سنسکرت کی تعلیم ہو رہی ہے مگر مرکزی گورنمنٹ کی عطا کردہ آسانیاں یو۔پی گورنمنٹ کے اعلان مورخہ ۲۰ رجولائی ۱۹۵۸ء کہ بچوں کو جن کی مادری زبان اردو ہے اردو میں پرائمری تعلیم دی جائے۔ اردو کی ٹریننگ دی جائے ثانوی درجات میں اردو کی تعلیم دی جائے وغیرہ" یو۔پی گزٹ مورخہ ۳۱ رجنوری ۱۹۵۹ء میں شایع ہوا اس کا نفاذ نہیں ہوا۔ کس قدر افسوس کی بات ہے۔ یہ بھی تو گزٹ ہی میں شایع ہوا بلکہ ایک ایسا جی۔ او جاری ہوا جس میں اردو ٹریننگ وغیرہ پہنچنے کا کوئی PROVISION نہیں ہے۔ یہ بات یوں معلوم ہوئی کہ ۱۹۶۴ء سے یہاں سے کوشش ہو رہی ہے کہ کچھ فیصدی اردو ٹیچر رکھے جائیں تاکہ اردو استادوں کی کمی پوری ہو اور اردو ٹریننگ دی جائے حال ہی میں حکومت یو۔پی کا جواب بذریعہ کمشنر لسانی اقلیت موصول ہوا جو ۲۱/۲۷ رمئی کو جاری ہوا کہ G.O. NO. D/H/274/XX-1860/1962 مورخہ ۱۵ رجون ۱۹۶۳ء کے مطابق MERIT سے انتخاب ہوتا ہے اس میں اردو ٹیچر رکھنے کا کوئی PROVISION نہیں ہے اور نہ موجودہ رول میں اردو ٹریننگ سیکھنے کا کوئی PROVISION ہے اور یہ بھی لکھا ہے اردو ٹیچروں کے ٹریننگ کا ۱۹۴۸ء کے پہلے کا کوئی قاعدہ نہیں معلوم ہوتا ہے کچھ فیصدی اردو استاد مقرر کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ انتخاب میں اردو جاننے والے ٹیچر کا RESERVATION کے آگے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ جی۔او کس طرح اعلان مندرجہ بالا کی مطابقت کرتا ہے۔ اس جی۔او کی نقل کمشنر صاحب سے مانگی گئی ہے اور جلد جواب بھیجا جاوے گا۔ سب سے بڑی دقت اردو تعلیم میں اردو استادوں کی کمی ہے کیونکہ قریب ۱۷-۱۸ سال سے شاذ ونادر اردو ٹیچر لیے گئے ۱۹۴۸ء کے پہلے دونوں زبان پاس کرنے پر اردو ٹیچر لیے جاتے تھے جو ہندی بھی پاس رہتے تھے ٹریننگ بعد کو ہوتی تھی اب ٹریننگ کی قید ہے۔

اتنے امکانات و مراعات اردو کے موافقت میں صادر ہوئے ہیں جو معلوم ہیں۔ مگر عمل نہیں ہو رہا ہے اسی سے یہ تمام دشواریاں ہیں۔ نہ بیشتر محبان اردو کو کوئی فکر ہے اتنی فکر بھی نہیں ہے کہ داخلے کے وقت دیکھیں کہ اس کی مادری زبان کیا لکھی جا رہی ہے اور فارم میں کیا لکھا جا رہا ہے بہر حال اگر اردو زبان کو زندہ رکھنا ہے اور ضرور زندہ رکھنا ہے تو جو مراعات پہلے ہیں ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کی انتہائی کوشش کرنی چاہیے کہ اردو استادوں کی تقرری اور ٹریننگ جیسے ۱۹۴۸ء کے پہلے ہوتی تھی اسی طرح ہو۔ تاکہ اردو استادوں کی کمی دور ہو۔

(ختم شد)

اردو کی حمایت اس لیے ضروری ہے کہ یہ کروڑوں ہندستانی عوام کی مقبول ترین زبان ہے

گوپالن کا بیان

مئوناتھ بھنجن ۲۳ر اگست۔ کل ہند کسان سبھا کے صدر اور پارلیمنٹ میں کمیونسٹ گروپ کے لیڈر جناب اے کے گوپالن نے آج یہاں پریس کانفرنس میں کہا کہ "اردو کو جائز مقام ملنا چاہیے۔ اردو کی حمایت اس لیے بھی بہت ضروری ہے کیونکہ یہ کروڑوں ہندوستانی عوام کی مقبول ترین زبان ہے۔"

(قومی آواز)

ناگپور میں انجمن ترقی اردو (ہند) کا قیام و انتخاب

ناگپور۔ مورخہ ۲۶ر اگست ۱۹۶۶ء کو ناگپور کے اردو دوستوں کا ایک عظیم اجتماع محمد علی سرائے ہال میں ہوا جس کی صدارت [illegible] انجمن ترقی اردو کے سکریٹری جناب فیض انصاری صاحب نے فرمائی۔

"یوم اردو" کی کامیاب جدوجہد نے اردو نواز حلقوں میں ایک خوشگوار رد عمل محسوس کرتے ہوئے اس ضرورت کو تسلیم کیا کہ [illegible] کونے کونے میں انجمن ترقی اردو کی شاخوں کا [illegible] عمل میں لایا جائے اور اس کے لیے پرخلوص کوششوں کو تیز تر کرتے ہوئے اردو کا پیام گھر گھر پہنچانے کی مہم شروع ہو چکی ہے۔ اور تمام حلقوں میں اس کا خاطر خواہ خیر مقدم بھی کیا جا رہا ہے۔

ناگپور بھی وسط ہند کا ایک مرکزی مقام ہے اور جو تمام تحریکوں میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ اس مرتبہ بھی اس تحریک میں آگے آگے ہے۔ اور انہی اسباب کو دیکھتے ہوئے انجمن ترقی اردو کی ایک مستحکم اور مضبوط شاخ یہاں قائم کی گئی ہے جس سے عوام و خواص کو بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔

مندرجہ ذیل عہدیداران و اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔

صدر:۔ جناب سید ضیاء الدین ایڈوکیٹ

نائب صدر:۔ (۱) جناب نصیر الدین قادری (۲) جناب نذیر انصاری

(۳) جنرل سکریٹری:۔ جناب جلیل ساز

سکریٹریز:۔ (۱) شاہد کبیر (۲) نظیر ناگپوری

ممبران:۔ (۱) بی ایم خان (۲) پروفیسر رافی ایس اختر (۳) طرفہ قریشی (۴) عبد القیوم ثانی (۵) زبیر تنویر ایم اے (۶) محمد رفیق شیخ (۷) ناظم انصاری (۸) صادق حسین صدیقی (۹) عبد الجبار [illegible]

(جلیل ساز جنرل سکریٹری)

بہار اسٹیٹ اردو کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کا جلسہ

پٹنہ ۳۰ر اگست۔ آج بہار اسٹیٹ اردو کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کی دوسری نشست ۷ بجے شام کو انجمن اسلامیہ ہال میں جناب نثار احمد خان ایڈوکیٹ صدر انجمن ترقی اردو بہار کے زیر صدارت انعقاد پذیر ہوئی۔ آج کی نشست میں مندرجہ ذیل اہم تجاویز بالاتفاق آرا منظور ہوئیں۔

(۱) تمام اراکین نے سکریٹری مجلس استقبالیہ جناب غلام سرور کی پیش کردہ رپورٹ کا جائزہ لیا اور طے کیا کہ اب تک جو کام اردو کانفرنس کے سلسلے میں ہوئے ہیں وہ نہایت مناسب ہیں۔

(۲) آئندہ کاموں کو آگے بڑھانے اور کانفرنس کو شایان شان طور پر کامیاب بنانے کے لیے مجلس استقبالیہ کے ارکان کے نام رسیدوں کا اجرا عمل میں آیا اور ان سے گذارش کی گئی کہ عطیات کی وصول یابی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

یہ بھی طے پایا کہ کانفرنس کے کاموں کو بحسن و خوبی انجام دینے کے لیے مختلف کمیٹیوں کا قیام ضروری ہے اس امر کے پیش نظر مندرجہ ذیل کمیٹیاں بنائی گئیں۔

(۱) پنڈال کمیٹی (۲) قیام و طعام و استقبال کمیٹی (۳) پروپیگنڈا کمیٹی (۴) اور رضاکار کمیٹی۔ پنڈال کمیٹی کے کنوینر جناب مغل میاں کاؤنسلر منتخب ہوئے۔ قیام و طعام و استقبال کمیٹی کے کنوینر جناب علی وارث خان راہی اور ان کے معاون کے طور پر جناب یعقوب یونس اور پرویز احمد منتخب ہوئے۔ پروپیگنڈا کمیٹی کے کنوینر شمس الہدیٰ استھانوی چنے گئے اور ان کے معاون شمس الہدیٰ ضیائی مقرر ہوئے۔ اور رضاکار کمیٹی کے کنوینر جناب شمیم صدیقی قرار پائے۔

(۳) ۹ستمبر کو مجلس استقبالیہ کے عہدیداران ایک پریس کانفرنس سے خطاب کریں گے اور مزید یہ بھی طے پایا کہ صدر کانفرنس عالی جناب شیو پرشاد سنہا ایڈوکیٹ سپریم کورٹ نئی دہلی و سابق جج الہ آباد ہائی کورٹ ۱۰ستمبر کو ایک پریس کانفرنس کو خطاب کریں گے۔

دعوت ناموں کے متعلق طے پایا کہ اردو و ہندی دونوں میں چھاپے جائیں گے نیز یہ بھی طے پایا کہ تمام سیاسی پارٹی کے لیڈروں کو کانفرنس میں مدعو کیا جائے۔

نشست میں مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت فرمائی۔

(۱) جناب نثار احمد خان ایڈوکیٹ، صدر انجمن ترقی اردو بہار

(۲) " مولانا شہاب صدیقی۔ جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو بہار

(۳) " غلام سرور مدیر سنگم۔ جنرل سکریٹری مجلس استقبالیہ

(۴) " نواب سید غضنفر نواب دانش خازن مجلس استقبالیہ

(۵) " سید مظہر امام سابق ایم پی۔ ممبر مجلس استقبالیہ

(۶) " پروفیسر عبد المغنی

(۷) " سید رضی حیدر

(۸) " سید آفتاب حیدر

(۹) " علی وارث خان راہی

(۱۰) " مغل میاں کاؤنسلر

(۱۱) " شاہ مشتاق احمد ایم ایل اے

(۱۲) " شمس الہدیٰ استھانوی [illegible]

(۱۳) جناب سید شوکت امام ایڈووکیٹ۔ ممبر مجلس استقبالیہ
(۱۴) " رامائن سنگھ سکریٹری آل انڈیا فارورڈ بلاک "
(۱۵) " عبد القیوم عبرت "
(۱۶) " محمد عثمان اللہ ندیم "
(۱۷) " شاہ عظیم الرحمٰن "
(۱۸) " جوہر نظامی "
(۱۹) " قاضی حمید اعظم "
(۲۰) " پرویز احمد "
(۲۱) " منیر عالم "

(محمد عثمان اللہ ندیم آفس سکریٹری)

فراق کی سترویں سال گرہ

عہد حاضر کے ممتاز شاعر فراق گورکھپوری کی ۷۰ ویں سال گرہ کے موقع پر پی۔ سی۔ دوارکا پرشاد شرینی اینڈ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ کی طرف سے ۱۸۔ اے مہاتما گاندھی مارگ، الہ آباد میں ۲۸ اگست ۱۹۶۶ء کو ایک جلسہ منعقد کیا گیا، جس کی صدارت پروفیسر سید احتشام حسین صاحب صدر شعبۂ اردو، الہ آباد یونیورسٹی نے فرمائی۔

سب سے پہلے جناب پی۔ سی۔ دوارکا پرشاد شرینی نے فراق صاحب اور احتشام صاحب کو ہار پہنائے اور فراق صاحب کو مبارکباد پیش کی اس کے بعد جعفر رضا صاحب نے فراق کے جشن سالگرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ فراق صاحب کی شخصیت ایک ہمہ گیر شخصیت ہے اور آج اردو کے بڑے شاعروں میں شمار ہوتے ہیں اسی لیے کلام فراق کے ناشرین نے یہ جلسہ منعقد کیا ہے تاکہ ہم لوگ فراق صاحب کو اپنا نذرانۂ عقیدت اور ہدیۂ مبارک باد پیش کر سکیں۔

ڈاکٹر رفیق حسین نے اپنی تقریر میں کہا کہ میں تقریباً بیس سال سے فراق صاحب کا پڑوسی ہوں۔ روزمرہ کی زندگی میں انھیں بچوں سے جو محبت ہے اسے کم لوگ جانتے ہیں۔ ان کی شخصیت کا یہ پہلو وہی بتا سکتا ہے جس نے ان کی روزمرہ کی زندگی کو قریب سے دیکھا ہے۔

جناب سمیع الزماں نے فراق کی شاعرانہ اہمیت پر روشنی ڈالی ہندی کے مشہور ادیب پروفیسر پرکاش چندر گپت۔ جناب لکشمی کانت ورما اور ماہر لسانیات ڈاکٹر ہردیو باہری نے فراق صاحب کی شخصیت اور شاعری پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

فراق صاحب نے اپنی تقریر میں اپنے ہمدردوں کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے ان کی درازی عمر کی دعائیں دیں اور یہ جلسہ منعقد کیا۔ انھوں نے اپنی شاعری کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اردو جو لشکر کی زبان تھی اس نے کھڑی بولی کو ادبی روپ بخشا اور اسے برابر ترقی دی ہے۔ کہیں کہیں پر ثقیل فارسی و عربی کے الفاظ ضرور استعمال کیے جاتے ہیں لیکن یہ شاعروں کا اپنا طرز ہے ورنہ مجموعی اعتبار سے دیکھا جائے تو اردو کی شاعری میں کھڑی بولی کا اچھا اور نکھرا ہوا روپ ملتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ سنسکرت کے ثقیل الفاظ کو کھڑی بولی میں ملا کر اسے بوجھل کرنا نہ قوم کی خدمت ہے اور نہ زبان کی اور میں خصوصاً اپنے ہندی ادیبوں سے کہتا ہوں کہ میتھلی شرن گپت کی طرح شاعری ہندی یا کھڑی بولی کی ترقی بلکہ اس کو بگاڑنے کی کوشش ہے۔

پروفیسر احتشام حسین نے آخر میں فراق کے فکری عناصر کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ انگریزی تعلیم نے فراق کے ذہن پر مغربی مفکرین کے دروازے کھول دئے ہیں اور اس طرح مشرق و مغرب کے علمی خزانوں سے ان کا ذہنی افق بہت وسیع ہو گیا۔ عالمی سیاسیات کے مختلف رجحانات، معاشی بحران اور اس کے اثرات کا براہ راست بیان چاہے ان کی شاعری میں نہ ہو لیکن زندگی کے متعلق ان کے نظریہ کی ترتیب میں ان سب اثرات کی کارفرمائی ہے جس کا ثبوت ان کے کلام میں جا بجا نظر آتا ہے۔

(ایک نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو رانچی کا انتخابی جلسہ

۲۸ اگست ۶۶ء بروز اتوار بوقت دس بجے دن انجمن ترقی اردو رانچی کا انتخابی جلسہ زیر صدارت قمر العارفین صاحب منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل حضرات بالاتفاق آراء نئے عہدیدار منتخب ہوئے۔

(۱) جناب محی الدین احمد صاحب۔ صدر
(۲) " ڈاکٹر کفیل احمد صاحب۔ نائب صدر
(۳) " جعفر امام صاحب۔ نائب صدر
(۴) " نعیم مجاز۔ جنرل سکریٹری
(۵) " عبد القدوس۔ سکریٹری
(۶) " محمد شفیق عالم۔ سکریٹری
(۷) " سمیع اللہ صاحب۔ خازن

مجلس منتظمہ کے حسب ذیل حضرات ممبر منتخب کئے گئے

(۱) جناب عبد الخالق صاحب (۲) جناب وفا پردیسی (۳) جناب نور صاحب (۴) جناب فضل الرحمٰن صاحب (۵) جناب مرزا یحییٰ صاحب (۶) جناب عبد الرشید صاحب (۷) جناب سید ابو الفضل عاصمی (۸) جناب پروفیسر شاختر صاحب (۹) جناب احمد جنید صاحب بی۔ اے (۱۰) محمد لئیق صاحب (۱۱) جناب خواجہ نسیم الدین صاحب عارف (۱۲) محمد قیام الدین صاحب (۱۳) جناب ظہیر الدین صاحب (۱۴) جناب محمد اسمٰعیل صاحب (۱۵) جناب شمس الہدیٰ صاحب (۱۶) جناب محمد حسن صاحب۔

(محی الدین احمد
صدر انجمن ترقی اردو رانچی)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا